بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقد استصناع

تحقیق و تطبیق

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منوروا شریف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

استصناع مالی معاملات کی ایک اہم صورت ہے، جو اپنی ابتدائی شکل میں عہد نبوت ہی میں وجود پذیر ہو چکا تھا، (دیکھئے: انگوٹھی بنوانے والی روایت، صحیح بخاری باب من جعل لبس الخاتم ج ۵ ص ۲۲۰۵ حدیث نمبر ۵۵۳۸ ط دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت ۱۹۸۷ء، اسی طرح آرڈر پر منبر بنوانے والی روایت، صحیح بخاری باب النجار، ج ۷ ص ۲۷۴ حدیث نمبر ۱۹۵۲)

بلکہ بعض علماء نے اس کی جڑیں عہد نبوت سے بھی بہت قبل عہد سکندری میں تلاش کی ہیں، قرآن کریم میں سد سکندری کی تعمیر کا ذکر ہے اس موقعہ پر:

قالوا یا ذاالقرنین إن یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فهل نجعل لک خرجاً علیٰ أن تجعل بیننا و بینهم سداً (سورۃ الکہف: ۹۴) لوگوں نے سکندر ذوالقرنین سے ایک ایسی دیوار بنوانے کا مطالبہ کیا، جو ان کو یاجوج اور ماجوج سے تحفظ فراہم کر سکے، اور اس کے مصارف واخراجات وہ خود ادا کریں

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ''خرجاً'' کی تفسیر ''اجراً عظیماً'' سے کی ہے، یعنی بڑی مالیت، (الدر المنثور فی التاویل بالماثور ج ۶ ص ۴۲۰، تفسیر ابن ابی حاتمؒ (م ۳۲۷ھ) ج ۹ ص ۲۳۶، تفسیر ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) ج ۵ ص ۱۹۶ ط دار طیبۃ للنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء)

ذوالقرنین کا انکار اس کے عدم جواز کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس سے بہتر صورت ان کے ذہن میں تھی، اور وہ لوگوں کے مال کے بجائے ان کی جسمانی اور فنی صلاحیتوں کے خواستگار تھے، البتہ اس کا فروغ بعد کے ادوار میں ہوا، استصناع کی متعدد شکلیں وجود میں آئیں اور اس نے معاملہ کی ایسی مستقل صورت اختیار کر لی جس کو بیع وشراء کی بعض اصولی باتوں کے فقدان کے باوجود ہر زمان ومکان میں قبولیت حاصل ہوئی، ہر زمانہ کے علماء وفقہاء نے اس پر اظہار خیال کیا، اہل صنعت اور اہل ثروت نے ذریعۂ تمویل کے طور پر اس کو اختیار کیا، اور اس طرح یہ طریقۂ تجارت پوری عالمی منڈی پر چھا گیا،

تطبیق کی ضرورت

غرض مسئلہ جدید نہیں ہے، اور نہ اس پر الگ سے کسی نئی رائے کی ضرورت ہے، مسئلہ کی تمام بنیادی شقوں پر فقہاء متقدمین کی آراء موجود ہیں..... آج مسئلہ کی تحقیق کی نہیں بلکہ موجودہ حالات میں اس کی تطبیق کی ضرورت ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

،مثلاً ہماری قدیم کتابوں میں جو مثالیں ذکر کی گئی ہیں، وہ بہت معمولی صورتیں ہیں، نیز زیادہ تر ان کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، وغیرہ.....جبکہ آج عالمی پیمانہ پر اس کو اختیار کیا جارہا ہے،اور اس کا دائرہ منقولات تک محدود نہیں ہے، بلکہ وسیع بنیادوں پر اس طریقۂ تجارت کو استعمال کیا جارہا ہے،.....اور اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا استصناع کا موجودہ معیار اصولی طور پر معروف شرعی استصناع سے ہم آہنگ ہے؟.....اور کیا استصناع کے دائرہ کو اس حد تک عام کیا جاسکتا ہے؟

یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ عقد استصناع کی اجازت شریعت کے عام ضابطۂ تجارت سے الگ طور پر دی گئی ہے، ورنہ عام ضابطہ کے مطابق اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے ،لیکن ضرورت وعرف کی بنا پر استحساناً اس کی اجازت دی گئی ہے،.....تو کیا اس اجازت کو اسی مورد تک محدود رکھا جائے گا جس میں اس کی اجازت دی گئی تھی یا اس میں تعدیہ کی گنجائش ہے؟.....

اسی طرح کئی مسائل میں فقہاء کے درمیان پہلے سے اختلاف موجود ہے،ان مختلف فیہ صورتوں میں آج کس قول کو اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا؟ پہلے جن اقوال پر فتوی دیا گیا، آج کے حالات میں اگر حرج اور تنگی کا احساس ہوتا ہے تو کیا ان سے عدول کی گنجائش ہے؟ وغیرہ.....

استصناع کا تصور

فقہاء کے یہاں استصناع کا جو تصور ملتا ہے اور جن حالات کے تناظر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے ،اس کو پیش نظر رکھا جائے تو موجودہ حالات میں اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے،

استصناع کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے، کہ کوئی فرد یا ادارہ کسی صنعتی فرد یا ادارہ کو مقررہ نمونہ کے مطابق قیمت کی تعیین کے ساتھ سامان کی فراہمی کا آرڈر دے، جس میں خام مواد اور مٹیریل صنعتکار کے ذمہ ہو اور صنعتکار اسے قبول کرلے،(بدائع الصنائع للکاسانیؒ (م۵۸۷ھ)باب الاستصناع ج ۱۱ ص ۲ ط دارالکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۸۶ء ،العنایةشرح الهدایة للبابرتیؒ (م ۷۸۶ھ)باب السلم فی الجواهر ج ۹ ص ۴۵۹،ردالمحتار لابن عابدینؒ ج ۴ ص ۲۱۲ ،دررالحکام شرح مجلة الاحکام ج ۱ ص ۳۵۸ مادة ۳۸۸ط دارالکتب العلمیة بیروت ،المحیط البرهانی لبرهان الدین مازهؒ الفصل الثالث والثلاثون فی الاستصناع ج ۸ ص ۳۴۰ ط داراحیاء التراث العربی،مجمع الانهر فی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شرح ملتقی الابحر لشیخی زادہؒ (م ۱۰۷۸ھ) ج ۳ ص ۱۴۹ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء)

یہ استصناع کا عمومی مفہوم ہے جس کے جواز پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن اس کی تفصیل میں تھوڑا اختلاف ہے،

استصناع دیگر فقہاء کے نزدیک

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اس کو عقد سلم کا حصہ قرار دیا ہے، اسی لئے ان کے نزدیک:

☆ اس میں وہ تمام شرائط ضروری ہیں جو عقد سلم کی صحت کے لئے معروف ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک پیشگی قیمت کی ادائیگی مجلس عقد ہی میں ضروری ہے، ورنہ یہ بیع الدین بالدین یا بیع الکالی بالکالی ہو جائے گی جو شرعاً ممنوع ہے، البتہ مالکیہ نے ایک سے دو دن تک مشروط یا غیر مشروط طور پر تاخیر کی اجازت دی ہے،.....

☆ اسی طرح معاملہ ہو جانے کے بعد عقد لازم ہو جائے گا، اور کسی فریق کے لئے باہمی رضامندی کے بغیر اس سے منحرف ہونے کی گنجائش نہ ہوگی۔

☆ مطلوبہ سامان کی ادائیگی کے لئے وقت کا تعین بھی ضروری ہے، اور یہ بھی کہ معاملہ طویل مدتی نہ ہو، ورنہ معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

☆ اسی طرح یہ حضرات معاملہ میں نہ صانع کی تعیین کی اجازت دیتے ہیں اور نہ مصنوع کی، بلکہ اس لحاظ سے معاملہ کو مبہم رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ معاملہ فسخ ہو جائے گا.....اگر بائع مطلوبہ سامان مقررہ شرائط کے مطابق فراہم کر دے تو اس کو قبول کرنا لازم ہوگا خواہ وہ اس کی اپنی مصنوعات سے ہو یا کسی دوسرے کی،.....

☆ مالکیہ خام مواد کی تحدید و تعیین کو بھی درست نہیں کہتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ تعیین جنس کی اجازت دیتے ہیں،

(دیکھئے: المدونۃ الکبریٰ للامام مالکؒ ج ۳ ص ۶۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، حاشیۃ الدسوقیؒ (م ۱۲۳۰ھ) علی الشرح الکبیر ج ۳ ص ۲۱۳ ط دار الفکر بیروت، الشرح الکبیر للدردیر المالکیؒ (م ۱۲۰۱ھ) ج ۳ ص ۲۱۷، بلغۃ السالک لاقرب المسالک للصاویؒ باب السلم وشروطہ ج ۳ ص ۱۸۰ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۱۹۹۵ء، کتاب الام للشافعیؒ باب السلف ج۳ص ۱۳۱ ط دارالمعرفة بیروت ۱۳۹۳ھ، الفروع لابن مفلح الحنبلیؒ (م۷۶۳ھ) ج ۴ ص ۲۱۶ ط مؤسسة الرسالة ۲۰۰۳ء، کشاف القناع للبھوتی الحنبلیؒ (م ۱۰۵۱ھ) فصل الشرط السادس ج ۳ ص ۱۶۵ ط دارالفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

یہ تمام حدود وقیود صرف اسی بنا پر ہیں کہ ان کے نزدیک عقد استصناع کوئی مستقل عقد نہیں ہے بلکہ بیع سلم ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس میں ان تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہے جو صحت سلم کے لئے معروف ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعی عقد سلم ہی ہے تو اس کے لئے الگ نام اور اصطلاحات کی ضرورت نہ تھی، کتب فقہیہ میں بھی اور تجار کے عرف میں بھی اس کے لئے بائع ومشتری یا اجیر ومستاجر یا اجرت وثمن وغیرہ کی اصطلاحات استعمال نہیں ہوتیں بلکہ استصناع، صانع، مستصنع اور بدل وغیرہ کی جداگانہ اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، نام کا فرق حقیقت کے فرق پر غماز ہے،.....

استصناع حنفیہ کے نزدیک

حنفیہ کے یہاں اس سلسلے میں کئی نظریات پائے جاتے ہیں، مثلاً:

وعدۂ بیع

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ استصناع عقد نہیں بلکہ محض وعدۂ عقد ہے، اور اس خیال کی بنیاد فقہاء کا وہ عام تصور ہے کہ یہ عقد طرفین میں سے کسی کے لئے لازم نہیں ہے.....اس کا مطلب ہے کہ عقد کا وجود نہیں ہوا بلکہ صرف وعدۂ عقد ہے البتہ وعدہ کے مطابق اگر صنعتکار سامان فراہم کردے اور خریدار اسے قبول کرلے تو یہ بیع بالتعاطی کے طور پر درست ہوگا، یہ رائے حاکم شہید، صفارؒ، محمد بن سلمہؒ، اور صاحب المنثور وغیرہ کی ہے، یہ دراصل امام ابوحنیفہؒ ہی ایک روایت ہے جس کو امام حسن بن زیادؒ نے نقل کیا ہے

(المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۲ص ۲۴۲ ط دارالفکر للطباعۃ بیروت لبنان ۲۰۰۰ء، المحیط البرہانی الفصل الخامس والعشرون-الیمین ج ۸ص ۷۰۸، فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ج ۷ص ۱۱۵ ط دارالفکر بیروت، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعیؒ (م ۷۴۳ھ ج ۴ص ۱۲۳ ط دارالکتب الاسلامی قاہرۃ ۱۳۱۳ھ وغیرہ)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بیع خالص

(۲) بعض علماء استصناع کو خالصتاً بیع تصور کرتے ہیں جس میں مبیع بائع کے ذمہ واجب ہوتا ہے، وہ اس میں صنعت وعمل کے دخل کو تسلیم نہیں کرتے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر بائع قبل سے یا کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز خریدار کے سامنے پیش کرے اور وہ اس کو لینے پر راضی ہو جائے تو ایسا کرنا فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اگر عمل معاملہ کا حصہ ہوتا تو یہ بیع جائز نہ ہوتی،.....لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بیع بالتعاطی کے طور پر جائز مانا گیا ہے نہ کہ عقد اول کی بنا پر، عقد اول میں شئ اور عمل دونوں مطلوب ہیں۔

(فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ج ۷ ص ۱۱۵ ط دار الفکر بیروت، بدائع الصنائع للکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ج ۱۱ ص ۲ وغیرہ)

عقد اجارہ

(۳) جبکہ اس کے بالمقابل شیخ ابو سعید البردعیؒ کا خیال یہ ہے کہ عقد استصناع میں عین مقصود نہیں ہے بلکہ اصلاً عمل مقصود ہے، اور اس کا پتہ خود اس کے نام سے چلتا ہے، مثلاً کوئی استصباغ بولے تو صاف ظاہر ہوگا کہ وہ فنکار سے رنگ کا عمل چاہتا ہے، خود رنگ مقصود نہیں ہے، یعنی گویا ان کے نزدیک استصناع عقد اجارہ ہے،.....مگر اس صورت میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی،.....علاوہ ازیں اگر یہ واقعتاً عقد اجارہ ہی تھا تو اس کے لئے فقہاء اور اہل تجارت کو الگ سے اصطلاح بنانے کی ضرورت نہ تھی (حوالہ جات بالا)

ابتداءً اجارہ انتہاءً بیع

(۴) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ ابتداءً اجارہ اور انتہاءً بیع ہے، یعنی سامان حوالہ کرنے سے چند لمحے قبل تک یہ اجارہ رہتا ہے اور حوالہ کرنے کے بعد یہ بیع بن جاتا ہے، رہا یہ کہ پھر اس کو طرفین کے لئے لازم ہونا چاہئے، جبکہ اصل مذہب کے مطابق یہ لازم نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ معاملہ کی تکمیل کے لئے بائع کو اپنی کچھ چیزیں تلف کرنی ہوتی ہیں، مثلاً جوتے تیار کرنا ہے تو چمڑے کو کاٹنا ہوگا وغیرہ، اس عذر کی بنا پر فسخ اجارہ کی گنجائش ہوگی اور صنعتکار کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا،

(فتح القدیر لابن الہمامؒ (م ۶۸۱ھ) ج ۷ ص ۱۱۶، حاشیۃ ابن عابدین ج ۵ ص ۲۲۴ ط دار الفکر بیروت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۰۰۰ء، البحر الرائق لابن نجیمؒ (م ۹۷۰ھ) باب السلم ج ۶ ص ۱۸۶ ط دار المعرفۃ بیروت)

بیع بشرط العمل

(۵) بعض فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ استصناع اصلاً بیع ہی ہے لیکن اس میں صنعتکار کی فنی صلاحیت سے استفادہ کرنے کی غرض سے اس کے عمل ومحنت کی اضافی شرط لگادی گئی ہے، تاکہ وہ چیز خریدار کو سادہ صورت کے بجائے مطلوبہ صورت میں حاصل ہوسکے،.....ظاہر ہے کہ عقد بیع میں اس طرح کی شرط زائد لگانا اصل مذہب کی رو سے ناجائز ہے، لیکن عرف وعادت اور تعامل کی بنا پر اس کی اجازت دی گئی ہے، جیسے خریدار کسی دکاندار سے مال خریدے اور اسے گھر تک پہونچوانے کی شرط لگائے ((بدائع الصنائع للکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) باب الاستصناع ج ۱۱ ص ۲، المبسوط ج ۱۵ ص ۱۵۵، تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمرقندیؒ (م ۵۳۹ھ) ج ۲ ص ۳۶۲ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۴ء)

استصناع ایک عقد مستقل ہے

لیکن حنفیہ کے یہاں سب سے معتبر رائے جس کو اکثر لوگوں نے قبول کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو بیع خالص ،عقد سلم اور اجارہ سے جداگانہ ایک عقد مستقل قرار دیا جائے ، جو بنیادی طور پر عقد بیع ہونے کے باوجود سلم اور اجارہ کی مشابہتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، اس لئے اس کو کسی ایک صورت عقد کے احکام کا پابند کرنے کے بجائے ہر ایک کے احکام سے کچھ نہ کچھ حصہ دیا جائے گا، چنانچہ:

☆ اس میں عقد کا تعلق عین اور عمل دونوں سے مساوی طور پر ہوتا ہے، بشرطیکہ دونوں قابل لحاظ مقدار میں مطلوب ہوں،

علامہ برہان الدین مازہؒ رقمطراز ہیں:

والمعنیٰ فی ذلک ان المستصنع طلب منه العمل والعین جمیعاً فلابد من إعتبارهما جمیعاً (المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہ ج ۷ ص ۲۹۹)

ترجمہ: اصل وجہ یہ ہے کہ مستصنع نے شے اور عمل دونوں کا مطالبہ کیا ہے، اس لئے دونوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے،

اسی سے ملتی جلتی عبارت علامہ زیلعیؒ کی ہے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

والمعنیٰ فیه ان المستصنع طلب منه العین والدین فاعتبرناهما جمیعاًتوفیراً علی الامرین حظهما (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعیؒ (م۷۴۳ھ) بحث السلم والاستصناع ج۴ص ۱۲۴ط المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بولاق قاہرۃ ۱۳۱۳ھ)

☆چونکہ اصلاً یہ عقد بیع ہے اس لئے اس میں ایجاب وقبول اور مبیع وثمن سے متعلق دیگر تفصیلات کا تعین ضروری ہے،.....

☆اس میں شئے اور محنت دونوں لازمی طور پر بائع (صنعتکار) کی جانب سے ہونا چاہئے،

☆اس میں مشتری (آرڈر دینے والے) کو خیار رویت حاصل ہوگی، حنفیہ کی مشہور روایت یہی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کی رائے جس کو المجلۃ اور متأخرین احناف نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ عقد لازم ہوگا اور خیار رویت حاصل نہیں ہوگی، بشرطیکہ بائع نے مطلوبہ معیار کو پورا کیا ہو، اس لئے کہ بسا اوقات اس میں صنعتکار کو اپنے بہت سے خام مواد لگانے پڑتے ہیں اور پھر خریدار اس کو نہ لے تو صانع کا سخت نقصان ہوگا (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج۱ ص۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)

☆البتہ اگر سامان مطلوبہ معیار پر نہ ہو تو خریدار کو خیار وصف حاصل ہوگا، اور اگر اس میں کوئی عیب ہو تو خیار عیب بھی حاصل ہوگا، اور وہ سامان لینا اس کے لئے ضروری نہ ہوگا،

☆عقد سلم کی مشابہت کی وجہ سے معدوم کو موجود کے درجہ میں رکھ کر معاملہ کی اجازت دی گئی، اور مبیع کو محدد کرنے کے بجائے ذمہ میں لازم کیا گیا،.....

☆مگر یہ خالص عقد سلم بھی نہیں ہے، اسی لئے تعیین وقت کی ضرورت نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہی ہے، ان کے نزدیک تعیین وقت سے یہ استصناع عقد سلم میں تبدیل ہو جائے گا، کیونکہ وقت کی تعیین تاخیر ومہلت کے لئے ہوتی ہے، اور اگر مجلس عقد میں قیمت کی ادائیگی نہ ہو تو بیع الکالی بالکالی کی صورت بن جائے گی، جو ممنوع ہے.....مگر صاحبین کا خیال یہ ہے کہ جن چیزوں میں استصناع کا رواج ہے ان میں محض تعیین وقت سے استصناع باطل نہ ہوگا، اس لئے کہ تعیین وقت ہمیشہ تاخیر ومہلت ہی کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کبھی اس کا مقصد تعجیل بھی ہوتا ہے،.....لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ ایک ماہ سے لمبی مدت مقرر کی گئی ہو، ایک ماہ سے کم ہونے کی صورت میں معتبر قول کے مطابق کوئی اختلاف نہیں ہے، یا یہ کہ صراحت کے ساتھ کہدیا جائے کہ تعین مدت کا مقصد مہلت وتاخیر نہیں بلکہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

شے ء کے جلد از جلد حصول کو یقینی بنانا ہے، تا کہ صانع خواہ مخواہ کی تاخیر نہ کرے،......اسی طرح اگر یہ مہلت خود خریدار کی طرف سے دی جائے تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے،(ردالمحتار لابن عابدینؒ مطلب فی الاستصناع ج۲۰ص ۲۸۷)

میرا خیال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں دفع نزاع کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے،

☆مجلس عقد میں پیشگی قیمت ادا کرنا صحت استصناع کے لئے لازم نہیں ہے،

☆ یہ عقد سلم کی طرح عقد لازم نہیں ہے،جس سے انحراف کی گنجائش نہ ہو،حنفیہ کا معروف قول یہی ہے، اس میں بائع و مشتری دونوں کو اختیار رہتا ہے، بائع بھی اپنی مصنوعات دوسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے،خواہ اس نے آرڈر ملنے کے بعد ہی وہ مال تیار کیا ہو اسی طرح مشتری بھی مطلوبہ مال دیکھنے سے قبل تک آزاد ہوتا ہے کہ وہ سامان لے یا نہ لے،......البتہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت اور حضرت امام ابویوسفؒ کی آخری رائے یہ ہے کہ اگر معاملہ شرائط کے مطابق ہو تو طرفین کے لئے انحراف کی گنجائش نہیں ہے،اس لئے کہ لازم نہ ہونے کی صورت میں دونوں کو ہی شدید نقصانات سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے،البتہ سامان میں کوئی واقعی عیب ہو یا مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا،مجلۃ الاحکام العدلیہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے،......اور بحالات موجودہ اسی قول میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے، دنیا کے بہت سے علمی اور مالی اداروں اور شخصیات نے المجلۃ کے فیصلے کو قبول کیا ہے اور قول ابی یوسفؒ کو ترجیح دی ہے،(موسوعۃ فقہ المعاملات،مجموعۃ من المؤلفین ج۱ص ۲۸۷)

وبماأنهٗ قد قبل فی هذهٖ المسئلة قول ابی یوسفؒ (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ج۱ص ۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)

إذاانعقدالاستصناع فليس لاحد العاقدين الرجوع فيه وإذا لم يكن على الاوصاف المطلوبة كان المستصنع مخيرا

(المجلۃ ج۱ص ۶۷ مادۃ ۳۹۲ ط کارخانۂ تجارت کتب،ترکی،دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ج۱ص ۳۶۱ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ:استصناع منعقد ہو جانے کے بعد کسی فریق کو رجوع کا اختیار نہیں ہے،البتہ سامان مطلوبہ معیار پر نہ ہو تو خریدار کو اختیار حاصل ہوگا،

کہتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ بھی پہلے اسی رائے کے قائل تھے جو حضرت الامامؒ کی پہلی روایت ہے،لیکن بعد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں حالات کے پیش نظر ان کی رائے تبدیل ہوگئی، گویا یہ اختلاف تبدل زمان کا نتیجہ ہے (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۸ ص ۳۴۰)

☆ اجارہ کی مشابہت کا تقاضا یہ ہے کہ معقود علیہ بائع کے عمل وصنعت سے گذر کر خریدار کے پاس آئے، (حنفیہ کا معروف قول یہی ہے) نیز انہوں نے (صحیح قول کے مطابق) یہ شرط بھی لگائی ہے کہ وہ چیز صنعتکار کی اپنی مصنوعات میں سے ہو اور آرڈر کے بعد تیار کی گئی ہو، اگر بائع نے آرڈر سے قبل کی تیار کردہ اسی معیار کی چیز مشتری کے سامنے پیش کی اور مشتری اس پر راضی ہوگیا تو یہ معاملہ بھی درست قرار پائے گا مگر عقد اول کی بنا پر نہیں بلکہ اس کو (بیع بالتعاطی) کے طور پر عقد جدید قرار دیا جائے گا،

☆ عقد استصناع کی اجازت صرف ایسے امور میں ہوگی جن کے اوصاف وحدود کی تعیین بآسانی ممکن ہو اور مقدار ومعیار اور کم وکیف میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو،

☆ نیز اس کی اجازت چونکہ خلاف قیاس ضرورت وعرف کی بنا پر دی گئی ہے، اس لئے اس کی اجازت صرف ان چیزوں کے ساتھ خاص ہوگی جن میں لوگوں کا تعامل اور تاجروں کا عرف جاری ہو، اگر کسی چیز میں پہلے استصناع کا رواج تھا پھر موقوف ہوگیا، تو اس میں استصناع جائز نہ ہوگا،.....

فقہاء نے اپنے دور کی چند چیزوں کا ذکر کیا ہے مگر یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ اس کا تعلق منقولات سے ہوگا یا غیر منقول چیزوں میں بھی اس کا جواز ہوسکتا ہے، لیکن ان کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور ہر وہ چیز جس سے تاجروں کا عرف اور لوگوں کی حاجتیں وابستہ ہوجائیں، اور فریقین کے لئے اس کی تحدید وتوصیف ممکن ہو، اس میں استصناع کی گنجائش ہوگی،

دررالحکام کے الفاظ ہیں:

كل شيء تعومل استصناعهٗ يصح فيه الاستصناع على الاطلاق .....اى أن الاستصناع صحيح فى كل ماتعومل به عادة وعرفا

(دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۱ ص ۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)

ترجمہ: ہر وہ چیز جس میں استصناع کا تعامل ہو اس میں علی الاطلاق استصناع درست ہے، یعنی عرف وعادت میں جن چیزوں کے استصناع کا رواج ہو اس میں استصناع جائز ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بدائع میں ہے:

وأماشرائط جوازہٖ فمنها أن يكون فيمايجرى فيه التعامل بين الناس .....ويبقىٰ ماعداه موكولاإلى القياس (ج۱۱ص۲)

ہدایہ میں ہے:

ولايجوز فيما لاتعامل فيه للناس (ج۱۱۶)

یہ مضمون الفاظ کے فرق کے ساتھ فقہ حنفی کی تقریباً تمام کتابوں میں آیا ہے،

مذکورہ تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور احناف کے نزدیک عقد استصناع بنیادی طور پر عقد بیع ہونے کے باوجود ایک مستقل عقد ہے جس میں مادہ اور عمل دونوں ہی مساوی طور پر مطلوب ہیں اکثر محققین حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے،.....

(دیکھئے:بدائع الصنائع للكاسانیؒ (م۵۸۷ھ)باب الاستصناع ج ۱۱ ص ۲ ط دارالكتب العلمية بيروت لبنان ۱۹۸۶ء ،العنايةشرح الهداية للبابرتیؒ (م ۷۸۶ھ)باب السلم فی الجواهر ج۹ ص ۴۵۹،ردالمحتار لابن عابدينؒ ج ۴ ص ۲۱۲ ،دررالحكام شرح مجلة الاحكام ج ۱ ص ۳۵۸ مادة ۳۸۸ط دارالكتب العلمية بيروت ،المحيط البرهانی لبرهان الدين مازهؒ الفصل الثالث والثلاثون فی الاستصناع ج ۸ ص ۳۴۰ ط داراحياء التراث العربی،مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر لشيخی زادهؒ (م ۱۰۷۸ھ) ج ۳ ص ۱۴۹ ط دارالكتب العلمية بيروت ۱۹۹۸ء)

میں سمجھتا ہوں کہ یہ حنفیہ کی بصیرت و دیدہ رسی ہے جو انہوں نے زمانہ کی رفتار پر نظر کی، آنے والے دور کی نزاکتوں کو سمجھا، اور صدیوں قبل ان خطوط کی تعیین کی جو آج استصناع کی بنیاد پر عالمی تجارت میں دلیل راہ بنے ہوئے ہیں، حنفیہ کے علاوہ کسی مکتب فقہ میں وہ تفصیلات موجود نہیں ہیں جو عقد استصناع کے تمام گوشوں کے لئے پوری طرح تشفی بخش ہوں، اور جن سے استصناع کا کوئی کامل طریقۂ تجارت برآمد ہوتا ہو۔

عصر حاضر کے متعدد عرب محققین (مثلاً شیخ مصطفیٰ الزرقاء، اور ڈاکٹر علی محی الدین القرۃ داغی وغیرہ) نے بھی حنفیہ کی اس فکر کو قبول کیا ہے، اور استصناع کو عقد مستقل لازم قرار دیا ہے.....اسی طرح مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بھی اپنے ساتویں سیمینار (منعقدہ جدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء) کی قراردادوں میں اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے، (قراداد نمبر ۶۶/۳/۷، موسوعۃ فقہ المعاملات، مجموعۃ من المؤلفین ج ۱ ص ۲۸۷)

چند احکام ومسائل

استصناع کی حقیقت اور اس کی قانونی تفصیلات جاننے کے بعد ہم سلسلہ وار ان سوالات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جو اس ضمن میں اٹھائے گئے ہیں، اور یہ تمام تفصیلات اسی لئے عرض کی گئیں کہ ان کی روشنی میں ان سوالات کوحل کرنا آسان ہوجاتا ہے،

استصناع کن چیزوں میں درست ہے؟

(۱-۴) آج کے دور میں عقد استصناع کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ ایسی چیزوں کا انتخاب کیا جائے:

(الف) جن کے اوصاف وحدود کی ایسی تعیین ممکن ہو جس سے فریقین میں اندیشۂ نزاع باقی نہ رہے، خواہ ان کا تعلق منقولات سے ہو یا غیر منقولات سے،

(ب) لوگوں کے عرف میں ان کے استصناع کا تعامل قائم ہو، اگر کسی چیز کے استصناع کا رواج تھا، پھر موقوف ہوگیا تو اس کا جواز بھی باقی نہ رہے گا۔

فقہاء نے اشیاء استصناع کے لئے انہی دو باتوں کو بنیاد بنایا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے، فقہاء نے کہیں منقول وغیر منقول کی بحث سے تعرض نہیں کیا ہے، اور نہ کسی خاص جنس ونوع کی طرف اشارہ کیا ہے، بلکہ اس کو عرف وتعامل پر محول کردیا ہے (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۱ ص ۳۵۸ مادۃ ۳۸۸)

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

وأما شرائط جوازہ فمنها أن يكون فيما يجری فيه التعامل بين الناس......ومن شروط الاستصناع بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته (ج ۱۱ ص ۲)

ترجمہ: استصناع کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس میں اس کا رواج ہو......نیز مصنوع کی جنس، نوع، قدر اور صفات کی پوری وضاحت کی جائے۔

علامہ موصلیؒ رقمطراز ہیں:

ويكتفی فی الاستصناع بصفة معروفة تحتمل الادراک (الاختیار لتعلیل المختار ج ۲ ص ۴۰ ط

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۵ء)

ترجمہ: استصناع میں ان صفات کا بیان کافی ہے جو معروف ہوں اور جن سے مطلوبہ چیز کی حقیقت کا ادراک ہو جائے،

استصناع کی حقیقت

(۲) عقد استصناع کی ماہیت کے بارے میں فقہاء کے نظریات مختلف ہیں، مگر ان میں زیادہ بہتر بات یہ نظر آتی ہے کہ بنیادی طور پر یہ عقد بیع ہونے کے باوجود یہ بیع، عقد سلم اور اجارہ سے مرکب ایک عقد مستقل ہے، جس میں عقد عین اور عمل دونوں کے ساتھ مساوی طور پر متعلق ہوتا ہے بشرطیکہ دونوں قابل لحاظ مقدار میں مطلوب ہوں، اسی لئے اس کی ترکیب اور احکام میں بیع، سلم اور اجارہ تینوں کی حصہ داری پائی جاتی ہے، تفصیل پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے،

استصناع موازی (واسطہ کے ذریعہ معاملہ کرنا)

(۳-۵) استصناع میں خریدار جس چیز کو خریدتا ہے، وہ عقد کے وقت معدوم ہوتی ہے، تو جیسے وہ ایک معدوم شئ کی خرید کر رہا ہے، کیا مبیع کے وجود میں آنے سے پہلے وہ اسے کسی اور سے اور پھر یہ دوسرا خریدار کسی تیسرے شخص سے فروخت کر سکتا ہے؟ اور کیا سلسلہ وار بیع کی تمام صورتیں بیع معدوم سے مستثنیٰ ہونگی؟..... آج کل خاص کر فلیٹس کی خرید وفروخت میں کثرت سے ایسی بات پیش آتی ہے،

اسی سے قریب ایک صورت ''استصناع موازی'' کی ہے، جو تجارتی اداروں نے استثمار کی غرض سے ''استصناع عادی'' سے الگ ایک قسم نکالی ہے، جس میں مصنوعات کا آرڈر لینے والا خود سامان تیار نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے شخص یا ادارہ سے سامان تیار کرا کے آرڈر دینے والے کو فراہم کرتا ہے،.....

دونوں صورتوں میں قدر مشترک یہ ہے دونوں میں خریدار براہ راست بائع (صانع) سے معاملہ نہیں کرتا بلکہ درمیانی واسطے کے ذریعہ سے کرتا ہے

یہ دونوں شکلیں فقہاء کے یہاں صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں، لیکن غور کرنے سے ان کے حکم تک پہونچا جا سکتا ہے، اس کے لئے بنیادی طور پر چند باتیں قابل توجہ ہیں:

(الف) ان دونوں مسئلوں کی جڑ ایک ہی ہے یعنی استثمار، دونوں میں ضرورت منداور صنعتکار کے درمیان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایک یا چند لوگ در آتے ہیں جن کا مقصد بالعموم ایک کی ضرورت اور دوسرے کی صنعت وصلاحیت کے بیچ واسطہ بن کر فائدہ اٹھانا اور دولت کمانا ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس پر کنٹرول نہ کیا جائے، اور واسطہ در واسطہ کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تو دلالی، کمیشن خوری اور اعداد وشمار کے کھیل سے دولت بٹورنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا.....

جبکہ استصناع کے جواز کی بنیاد اصلاً ضرورت ہے، جس کو خلاف اصول لوگوں کی حاجات کی بنا پر گوارا کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ جو چیز فی نفسہٖ جائز نہیں ہے، ضرورتاً اس کی اجازت دی گئی ہے اس کو دیگر عام ذرائع تجارت کی طرح ذریعۂ استثمار بنانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، بلکہ اس کو واقعی ضرورت کی بنیاد تک ہی محدود رکھا جانا چاہئے، اور حقیقی ضرورتوں کیلئے کوئی معیار اور ضابطۂ عمل وجود میں آنا چاہئے،

(ب) دوسری بات یہ ہے کہ استصناع صرف اشیاء کا معاملہ نہیں ہے بلکہ صحیح ترین تعریف کے مطابق شئے اور عمل دونوں کا معاملہ ہے، اسی لئے اگر صنعتکار قبل سے یا کسی دوسرے کی تیار کردہ چیز آرڈر دینے والے کے سامنے پیش کرے اور آرڈر دینے والا اس کو قبول کرلے تو معاملہ کو عقد اول کی بنا پر جائز قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو بیع بالتعاطی کے طور پر ایک نیا معاملہ گردانا جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ فقہاء چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ حتی الامکان ضرورت مندوں اور صنعتکاروں کے درمیان براہ راست ہو، گو کہ ان کے نزدیک یہ شرط کے درجے کی چیز نہیں ہے، اور نہ اس کی انہوں نے صراحت کی ہے، لیکن بلاضرورت واسطہ کا استعمال پسندیدہ بھی نہیں ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

قال بعضهم هوعقد علىٰ مبيع فى الذمة وقال بعضهم هوعقد علىٰ مبيع فى الذمة شرط فيه العمل .....والصحيح هوالقول الاخير لان الاستصناع طلب الصنع فمالم يشترط فيه العمل لايكون استصناعاً ،فكان مأخذ الاسم دليلاً عليه ،ولان العقد علىٰ مبيع فى الذمة يسمىٰ سلماً وهذا العقد يسمىٰ استصناعاً ،واختلاف الاسامى دليل اختلاف المعانى فى الاصل وأماإذاأتى الصانع بعين صنعها قبل العقد ورضى به المستصنع ،فإنما جاز لابالعقد الاول ،بل بعقد آخر وهوالتعاطى بتراضيهما (بدائع الصنائع ج ۱۱ص ۲)

ترجمہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذمہ میں مبیع کا معاملہ ہے جبکہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ ذمہ میں ایسے مبیع کا معاملہ ہے جس میں عمل کی شرط ہوتی ہے،.....اور یہی دوسرا قول صحیح ہے، اس لئے کہ استصناع کہتے ہیں طلب صنعت کو، تو اگر عمل کی شرط نہ ہو تو استصناع کیسے ہوگا؟ تو خود یہ نام عمل کی دلیل ہے، دوسری وجہ یہ ہے، کہ ذمہ میں مبیع کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جومعاملہ ہوتا ہے اس کو سلم کہا جاتا ہے، حالانکہ اس کا نام استصناع ہے، نام کا فرق اس کی حقیقت کے فرق کو بتاتا ہے ،رہی وہ صورت کہ صانع عقد سے قبل کی تیار کردہ چیز پیش کرے اور خریدار اس پر راضی ہوجائے، تو اس کا جواز عقد اول کی بنا پر نہیں ہوگا بلکہ یہ رضائے باہم سے ایک نیا معاملہ ہوگا جس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں،

(ج) استصناع میں چونکہ اجارہ کا بھی جز وشامل ہے اس لئے زیر بحث صورت میں اس مسئلے سے بھی روشنی ملتی ہے جو فقہاء نے کتاب الاجارہ میں بیان کیا ہے کہ اگر مستاجر اجیر سے اس کے خود کام کرنے کی شرط نہ لگاوے تو وہ دوسرے کی مدد سے کام انجام دے سکتا ہے، لیکن اگر وہ اس کے عمل کی شرط لگادے اور وہ اسے قبول کرلے تو وہ خود اس کو انجام دینے کا پابند ہوگا، دوسرے سے مدد لینے کی گنجائش نہ ہوگی، ہدایہ میں ہے:

وإذاشرط على الصانع أن يعمل بنفسهٖ ليس لهٗ أن يستعمل غيرهٗ لان المعقود عليه العمل من محل بعينهٖ فيستحق عينهٗ كالمنفعة في محل بعينهٖ وإن أطلق لهٗ العمل فلهٗ أن يستاجر من يعملهٗ لان المستحق عمل في ذمتهٖ ويمكن إيفائهٗ بنفسهٖ وبالاستعانة بغيره

بمنزلة إيفاء الدين (الہدایۃ للمرغینانیؒ (م۵۹۳ھ) ج۳ص۲۳۴ط المکتبۃ الاسلامیۃ، کذا فی الاختیار لتعلیل المختار للموصلیؒ ج۲ص۵۹، الجوہرۃ النیرۃ للعبادی الزبیدیؒ (م۸۰۰ھ) ج۳ص۴۸، اللباب فی شرح الکتاب للدمشقی المیدانیؒ ج۱ص۱۷۸ط دار الکتاب العربی)

ترجمہ: اگر کاریگر سے یہ شرط لگائے کہ وہ خود کام کرے تو اس کو دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی ،اس لئے کہ معاملہ میں محل کے ساتھ عمل کی بھی تعیین ہوگئی ہے جیسے کہ کوئی مخصوص مقام کی منفعت پر معاملہ کرے، البتہ اگر اس طرح کی کوئی قید نہ لگائی گئی، تو وہ خود کے بجائے کسی سے بھی اجرت پر کام لے سکتا ہے، اس لئے کہ عمل اس کے ذمہ واجب ہے، اس لئے وہ خود بھی کرسکتا ہے اور دوسرے کی مدد سے بھی انجام دے سکتا ہے، جیسے کہ ادائے قرض کے معاملہ میں،

فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں بھی اجارہ کے ضمن میں اسی طرح کی بات ذکر کی گئی ہے،

البتہ فقہاء شافعیہ نے تعبیر یہ اختیار کی ہے کہ اجارہ کی دو قسمیں ہیں، اجارۂ عین اور اجارۂ ذمہ، اجارۂ عین میں اجیر خود اس کام کو انجام دینے کا پابند ہوتا ہے جبکہ اجارۂ ذمہ میں اس کام کی انجام دہی اس کے ذمہ عائد ہوتی ہے ،خواہ وہ خود انجام دے یا کسی کی مدد سے انجام دلوائے:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وقیل اجارة ذمة لان المقصود حصول العمل من جهة المخاطب فلهٗ تحصیلهٗ بغیره

(حاشیة قلیوبیؒ وعمیرة علی کتاب المنہاج للنوویؒ (م ۶۷۶ھ) لشہاب الدین القلیوبیؒ (م ۱۰۶۹ھ) واحمد البرلسی عمیرةؒ (م ۹۵۷ھ) ج ۹ ص ۲۹۰، وکذا فی مغنی المحتاج الیٰ معرفة معانی الفاظ المنہاج للشربینیؒ کتاب الاجارة ج ۲ ص ۳۳۴ ط دار الفکر بیروت، السراج الوہاج علیٰ متن المنہاج للغمراویؒ ج ا ص ۲۸۷ ط دار المعرفة بیروت، الغرر البہیة فی شرح البہجة الوردیة (لابن الوردیؒ (م ۷۴۹ھ) لزکریا الانصاریؒ (م ۹۲۶ھ) ج ۱۲ ص ۹۹)

ترجمہ: ایک رائے یہ ہے یہ اجارۂ ذمہ کی صورت ہے، اس لئے کہ مقصود مخاطب کی جانب سے حصول عمل ہے، اس لئے وہ دوسرے سے بھی مدد لے سکتا ہے،

مشہور حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہؒ ایک صورت مسئلہ کے تجزیہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وقیاس المذهب جواز ذلک سواء أعان فیها بشیء أو لم یعن (المغنی لابن قدامہؒ فصل اجارة العین الموجرة ج ۶ ص ۶۰ ط دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

ترجمہ: مذہب کے اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے، خواہ اس میں کسی چیز سے مدد لے یا نہ لے۔

ان تفصیلات سے جن کے اکثر حصہ پر فقہاء کا اتفاق ہے اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ استصناع میں اصل یہ ہے کہ اس کو ضرورت کے دائروں تک محدود رکھا جائے، اور بلا ضرورت اس سے خروج نہ کیا جائے، البتہ صنعتکار اور خریدار کے درمیان کبھی واسطہ کی ضرورت پڑتی ہے، کبھی خریدار کو اصل صنعتکاروں کا پتہ نہیں ہوتا، یا اچھے اور برے کی تمیز ان کو نہیں ہوتی، یا یہ کہ خود معاملہ کرنے میں ان کو کسی نقصان یا فریب کا اندیشہ ہوتا ہے، ایسی صورتوں میں کسی درمیانی فرد یا ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے جو اس کی صحیح رہنمائی کر سکے، ہر فن کے کچھ ماہرین ہوتے ہیں، اور ہر ایک کا اپنا میدان کار ہوتا ہے، اور کاروبار حیات اسی طرح ایک دوسرے کے تعاون سے چلتا ہے......اس طرح درمیان میں زیادہ سے زیادہ ایک واسطہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس طرح استصناع موازی کا جواز سمجھ میں آتا ہے، ......لیکن سلسلہ وار درمیانی کئی واسطوں کا جواز فہم سے بالاتر ہے کہ یہ محض تمویل واستثمار کے لئے دائرۂ ضرورت سے خروج ہے، ......اور اگر جواز کا حیلہ نکل بھی آئے تب بھی سداً للباب اس سے اجتناب ہی میں خیر ہے۔

استصناع موازی کے جواز کی شرطیں

البتہ استصناع موازی (یا متوازی) میں چند چیزوں کی رعایت ضروری ہے، جو اوپر دی گئی فقہی تفصیلات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے سمجھ میں آتی ہے:

☆ درمیانی شخص یا ادارہ نے اپنے واسطہ ہونے والی بات خریدار سے چھپائی نہ ہو، اور خریدار کو اس دھوکہ میں نہ رکھا گیا ہو کہ وہ خود ہی صنعتکار یا کمپنی کا نمائندہ ہے،

☆ درمیانی شخص خریدار اور کمپنی دونوں سے الگ الگ معاملہ کرے، اور ایک کو دوسرے سے مربوط نہ کرے،

☆ خریدار نے اس سے اپنی مصنوعات یا خدمات کا مطالبہ نہ کیا ہو بلکہ کسی بھی جہت سے اسے صرف سامان مطلوب ہو،

☆ اگر خریدار کسی خاص کمپنی یا شخص کی خدمات کا تعین کرے اور وہ اسے منظور کرلے تو اس شرط کی پابندی ضروری ہوگی، اور اس میں کسی بھی قسم کی خلاف ورزی درست نہ ہوگی،

☆ بہت زیادہ لمبی مدت مقرر نہ کی جائے، کہ نفع خوری کا دروازہ کھلے، بلکہ مناسب طور پر اتنی ہی مدت مقرر کی جائے جتنی کہ مطلوبہ سامان کی تیاری میں واقعی ضرورت ہو، کیونکہ زیادہ لمبا وقت لینے سے یہ عقد استصناع کے بجائے عقد سلم بن جائے گا اور پھر سلم کی تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہوجائے گی، اس لئے کہ صاحبین کے نزدیک استصناع میں تعین مدت کی گنجائش تو ہے مگر اتنی لمبی مدت نہیں جس کو تاخیر یا استہلال قرار دیا جائے، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں ہے، البتہ ہندوانیؒ کے بقول جس کو ہمارے اکثر مصنفین نے نقل کیا ہے کہ اگر یہ مہلت خود خریدار کی طرف سے دی جائے تو قباحت نہیں ہے،

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر شیخی زادہؒ (م ۱۰۷۸ھ) ج ۳ ص ۱۴۹ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء)

لیکن خروج عن الاختلاف کے لئے اس سے بچنا بہتر ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔

ان حدود میں رہتے ہوئے استصناع موازی سے استفادہ کرنا درست ہے، اور اس کو تبعاً تمویل واستثمار کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بیت التمویل الکویتی کے شعبۂ افتاء نے بھی ان شرائط کے ساتھ استصناع موازی کی اجازت دی ہے (دیکھئے: الفتاوی الشرعیۃ فی المسائل الاقتصادیۃ ج ۲ فتوی نمبر ۲۵۲، بحوالہ موسوعۃ فقہ المعاملات، مجموعۃ من المؤلفین ج ۱ ص ۲۸۷)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عقد استصناع میں کسی فریق کے انحراف کا مسئلہ

(۶) عقد استصناع میں بعض دفعہ صانع کو ایک مناسب رقم بطور بیعانہ کے دینی پڑتی ہے اگر صانع آرڈر کے مطابق مال تیار کردے لیکن خریدار اس کو لینے سے مکر جائے تو کیا بائع اس رقم کو ضبط کرسکتا ہے یا اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرسکتا ہے؟.....

اس سوال کی اہمیت اس وقت ہے جب کہ حنفیہ کی اس روایت کو اختیار کیا جائے، جس کو تمام کتب فقہیہ میں اصل مذہب قرار دیا گیا ہے، یعنی عقد استصناع میں صانع کی طرف سے مال تیار ہونے اور مطلوبہ معیار پر ہونے کے باوجود خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس معاملہ سے دست بردار ہوجائے، اور تیار شدہ مال قبول نہ کرے، یہ اختیار اس کو مال دیکھنے کے وقت تک رہتا ہے، لیکن اگر کوئی خریدار دیکھنے سے پہلے ہی اس کو رد کردے، یا دیکھنے ہی پر رضامند نہ ہو تو صانع کے لئے اس میں بڑے ضرر کا اندیشہ ہے،.....لیکن اگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ایک دوسری روایت (جس کو حضرت امام ابو یوسفؒ نے اختیار کیا ہے اور جس کو مجلۃ الاحکام میں قول مقبول قرار دیا گیا ہے، اور اس کے بعد تقریباً ہر عہد کے علماء نے المجلۃ کے اس رجحان کو قبول کیا اور اس کے مطابق فتوے دیئے،) جس میں عقد استصناع کو طرفین کے لئے لازم کہا گیا ہے، اور خریدار کے لئے خیار عیب اور خیار وصف کو چھوڑ کر کسی بھی خیار کی نفی کی گئی ہے، اس قول کو بنیاد بنایا جائے اور المجلۃ اور علماء متأخرین کے فیصلوں کو قبول کیا جائے تو اس سوال کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، مال تیار ہونے کے بعد خریدار کو انحراف کا اختیار نہیں ہے، وہ قانونی طور پر مقررہ مال لینے کے لئے مجبو رہے، بصورت دیگر اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے، الا یہ کہ مال میں کوئی عیب ہو یا آرڈر کے مطابق نہ ہو،

فإذا انعقد فليس لاحدالعاقدين علىٰ رواية ابى يوسف الرجوع عنه بدون رضاء الآخر ،راجع المادة (۳۳۲)وكذلك ليس للمستصنع ان يرجع عنه لانهٗ لو جعل لهٗ الخيار للحق البائع اضرار لانهٗ قدلايرغب فى المصنوع احد غير المستصنع ،راجع المادة (۲۰)ليس للصانع بعد عمل المصنوع الامتناع عن تسليمه إلى المستصنع .....وإذا كان المصنوع غير موافق للاوصاف المطلوبة فإن كان النقص الموجود من قبيل العيب فللمستصنع خيار العيب وإن كا ن من قبيل الوصف فلهٗ خيار الوصف ان شاء قبلهٗ وإن شاء ردهٗ .....وقال ابويوسفؒ ليس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

للمستصنع خیار الروية خلافاً لبعض الفقهاء ،وبما أنهٗ قد قبل فی هذهٖ المسئلة قول ابی یوسفؒ فلایکون الخیار الوارد هنا خیار روية (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام لعلی حیدرؒ ج ا ص ۳۶۱ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت)

ترجمہ: استصناع منعقد ہوجانے کے بعد امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق عاقدین میں سے کسی کو باہم رضامندی کے بغیر رجوع کا اختیار نہیں ہے، اسی طرح مستصنع بھی اس سے رجوع نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اگر اس کو اختیار دیا جائے تو بائع کو نقصان پہونچے گا اس لئے کہ کبھی مستصنع کے علاوہ دوسرا شخص اس سامان کو لینے پر رضامند نہیں ہوتا، اسی طرح سامان تیار ہونے کے بعد صانع سامان حوالہ کرنے سے مکر نہیں سکتا.....البتہ اگر سامان مطلوبہ اوصاف کے موافق نہ ہو تو اگر یہ نقص اس میں عیب کی بنا پر ہو تو مستصنع کو خیار عیب حاصل ہوگا، اور اگر کسی وصف کی کمی سے ہے تو اس کو خیار وصف حاصل ہوگا، چاہے تو لے اور چاہے تو رد کردے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مستصنع کو خیار رویت حاصل نہیں ہے، بعض فقہاء کو اس سے اختلاف ہے، مگر اس باب میں چونکہ امام ابو یوسفؒ کا قول قبول کیا گیا ہے اس لئے خیار رویت حاصل نہیں ہوگا۔

استصناع میں اگر مٹیریل خود خریدار فراہم کردے

(۷) اگر کسی چیز کا آرڈر دیا جائے اور مصنوع کے لئے درکار مٹیریل خود خریدار فراہم کردے تو یہ عقد اجارہ ہے، عقد استصناع نہیں ہے، اس لئے کہ استصناع کے لئے ضروری ہے کہ سامان اور عمل دونوں بائع کی طرف سے ہو ں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

الاستصناع أن تکون العین والعمل من الصانع ،فاما إذا کان العین من المستصنع لامن الصانع یکون اجارة ولایکون استصناعا ً (المحیط البرہانی لبرہان الدین مازہؒ ج ۸ ص ۳۴۰ ط دار احیاء التراث، فتاویٰ ہندیۃ بحث الاستصناع ج ۴ ص ۵۱۷)

ترجمہ: استصناع یہ ہے کہ سامان اور عمل دونوں صنعتکار کی جانب سے ہوں، اگر سامان صانع کے بجائے مستصنع نے فراہم کردیا تو یہ اجارہ ہوگا استصناع نہیں۔

اس لئے اس پر اجارہ کے احکام جاری ہونگے استصناع کے نہیں، یعنی یہ عقد لازم ہوگا، اگر سامان آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو قبول کرنا لازم ہوگا، اور اسے کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا اور اگر آرڈر کے مطابق نہیں ہے تو اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہی تیار شدہ مال مقررہ قیمت پر قبول کرلے یا پھر کاریگر سے اپنے سامان کا ضمان وصول کرے ، پھر اس

کے بعد سامان کا مالک کاریگر ہوجائے گا، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

إذااسلم حديداً إلىٰ حداد ليصنعهٗ إناءً مسمىً باجر مسمىً فإنهٗ جائز ولاخيار لهٗ فيه إذا كان مثل ماسمى .....وإن افسدهٗ الحدادفلهٗ أن يضمنهٗ حديداً مثل حديدهٖ ويصير الاناء للعامل وإن شاء رضى بهٖ وأعطاه الاجر (المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۵ص ۱۵۵ط دارالفکر بیروت ۲۰۰۰ء، بدائع الصنائع للکاسانی ج ۵ص ۴ط دارالکتاب العربی بیروت ۱۹۸۲ء))

ترجمہ: اگر کسی نے لوہار کو خاص قسم کا برتن بنانے کے لئے لوہا دیا اور اس کی اجرت بھی طے کردی تو ایسا کرنا جائز ہے، پھر اگر برتن اس کے آرڈر کے مطابق ہے تو اس کو اختیار حاصل نہ ہوگا.....البتہ اگر برتن اس کے آرڈر مطابق نہیں ہے تو اپنے لوہے کے برابر لوہا ضمان میں لے سکتا ہے، پھر برتن عامل کا ہوجائے گا اور اگر چاہے تو اجرت دے کر اسی کو قبول کرلے، دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

شرط جزائی کا مسئلہ

(۸) عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی تاریخ مقرر ہوجائے، مگر بائع اسے وقت پر فراہم نہ کر پائے تو کیا خریدار اس کا تاوان وصول کرسکتا ہے؟.....واضح ہو کہ بعض اوقات خریدار اسی مقررہ تاریخ کے لحاظ سے اپنے گاہک سے معاملہ کرتا ہے، اگر بائع مقررہ وقت پر مبیع تیار کرکے حوالہ نہ کرے اور اسے بروقت مارکیٹ سے وہی شئ حاصل کرکے اپنے گاہک کو دینی پڑے، تو اس کو مارکٹ سے گراں قیمت پر یہ شئ خریدنی پڑتی ہے، اور دوہرا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، ایک تو سامان زیادہ قیمت پر خریدکیا، دوسرے جب خود اس کا آرڈر موصول ہوگا تو اب اس شئ کو فروخت کرنا دشوار ہوجائے گا اس لئے کہ ضروری نہیں کہ دوسرا خریدار اس معیار اور ڈیزائن کو قبول ہی کرے،

یہ شرط جزائی کا مسئلہ ہے جو کئی دہائیوں سے علماء عصر کے درمیان زیر بحث رہا ہے، عام طور پر فقہاء کے یہاں تاریخ کے تعین کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے:

إذا اشترط على الاجير إنجاز العمل إلىٰ يوم كذا ..... تكون صحيحة .....ان الاجارة مع شرط يوجبهٗ العرف والعادة صحيحة والشرط معتبر كمافى البيع انظر المادة

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۱۸۸) (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ا ص ۴۳۷)

ترجمہ: اگر اجیر سے کسی خاص دن تک کام پورا کرنے کی شرط لگائے، تو جائز ہے.....اسی طرح ہر ایسی شرط کو معاملہ میں شامل کیا جاسکتا ہے جس کا عرف میں رواج ہو اور اس شرط کا اعتبار کیا جائے گا،

لیکن اگر کسی وجہ سے وہ شرط پوری نہ ہو سکے اور وقت پر سامان نہ مل سکے تو اس پر ہونے والے نقصانات کا ہرجانہ وصول کیا جائے؟..... یہ بحث ہماری قدیم کتابوں میں موجود نہیں ہے، مگر بعد میں جب معاملات نے وسعت اختیار کی، اس کا دائرہ بڑھا اور وقت کے حساب سے اشیاء کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ آنے لگے، تو یہ مسئلہ علماء کے درمیان زیر بحث آیا، چنانچہ اس میں بنیادی طور پر دو رائے سامنے آئی،

(ا) معاملات کے عام اصولوں کے مطابق بہت سے علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ السلم وتطبیقاتہٗ المعاصرۃ ڈاکٹر وہبہ زحیلی ج ۷ ص ۱۹۷ ط دارالفکر دمشق) اس لئے کہ:

☆ ایک تو اس میں تعلیق مجہول پائی جاتی ہے، جو وجہ فساد ہے.....عقود معلقہ کی شکلیں ہمارے یہاں آئی ہیں مگر عقد کے وقت کسی شق کی تعیین ہو جانی چاہئے،

☆ دوسرے نتیجہ کے اعتبار سے یہ وقت کے بدلے میں قیمت کی وصولی ہے، جبکہ دیون میں یہ صورت ربا کا معنیٰ پیدا کرتی ہے،

(۲) مگر فقہاء معاصرین کی بہت بڑی تعداد موجودہ تقاضوں، دیانت وامانت کی کمی اور وقت کے استعمال کی حساسیت کی بنا پر اس کے جواز کی طرف گئی ہے، اور اس کے لئے ان کے پیش نظر کئی بنیادیں ہیں:

(ا) امام بخاریؒ نے ایک باب قائم کیا ہے "**باب مایجوز من الاشتراط والثنیافی الاقرار والشروط التی یتعارفھا بینھم**" اور اسی کے ساتھ ابن سیرینؒ کے حوالہ سے قاضی شریحؒ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سواری والے سے معاملہ کیا کہ فلاں دن تمہاری سواری سفر کے لئے میں لوں گا اور اگر میں نے اس دن تمہاری سواری نہیں لی تو تم کو ایک سو درہم دوں گا (یعنی ہرجانہ)، معاملہ طے پا گیا مگر وقت مقرر پر وہ شخص اس کی سواری نہ لے سکا، اور نزاع پیدا ہوا..... یہ مسئلہ قاضی شریح کی عدالت میں آیا تو انہوں نے یہ فیصلہ سنایا:

من شرط علیٰ نفسہٖ طائعاً غیر مکرہٍ فھو علیہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ترجمہ: جس نے بلا جبر واکراہ خود اپنی مرضی سے اپنے اوپر کوئی شرط لگائی تو وہ اس کے ذمہ واجب ہوگی،

اسی طرح ایک اور معاملہ میں جس میں ایک شخص نے غلہ بیچا اور خریدار نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ اگر میں بدھ کے روز نہ آیا تو معاملہ کالعدم مانا جائے گا، چنانچہ وہ وقت مقرر پر نہیں آیا، قاضی شریح کے یہاں معاملہ پہونچا تو انہوں نے خریدار کے خلاف فیصلہ کیا اور کہا کہ تم نے شرط کی خلاف ورزی کی

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۹۸۱ ط دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت ۱۹۸۷ء)

(۲) ہماری کتابوں میں ایک مسئلہ بیع عربان (یا عربون)'' کے نام سے آیا ہے، یعنی خریدار معاملہ کرتے وقت پیشگی کچھ رقم بیعانہ کے طور پر اس شرط کے ساتھ دے کہ اگر میں نے وہ چیز خرید لی تو وہ قیمت میں شمار ہوگی ورنہ وہ چیز بائع کی ہوگی، جمہور ائمہ (حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ) اس کو جائز قرار نہیں دیتے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت امام حسنؒ کی بھی یہی رائے ہے،

(التاج والاکلیل للمواقؒ (م ۸۹۷ھ) ج ۷ ص ۳۲، (بدایۃ المجتھد لابن رشد الحفیدؒ (م ۵۹۵ھ) ج ۲ ص ۱۳۱، الاستذکار للقرطبیؒ (م ۴۶۳ھ) باب ماجاء فی بیع العربون ج ۶ ص ۲۶۴ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۰ء، الحاوی فی فقہ الشافعی للماوردیؒ (م ۴۵۰ھ) ج ۵ ص ۳۳۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۴ء، روضۃ الطالبین للنوویؒ (م ۶۷۶ھ) ج ۳ ص ۶۵ ط دار الکتب العلمیۃ)

عربان کی دوسری صورت یہ ہے کہ سامان نہ لینے کی صورت میں پیشگی دی گئی رقم مشتری کو واپس کرنے کی شرط لگائی جائے، دیگر فقہاء کے یہاں اس کی گنجائش ہے۔

فقہ حنفی کی کتابوں میں بالعموم اس بیع کا تذکرہ موجود نہیں ہے لیکن جن چند کتابوں میں اس کا ذکر آیا ہے وہاں اس دوسری صورت کو بھی عقد فاسد قرار دیا گیا ہے، غالباً اس لئے کہ یکگونہ اس میں بھی خیار مجہول اور اندیشۂ غرر پایا جاتا ہے:

الثانی والعشرون بیع العربان ویقال الاربان وھو أن یشتری الرجل السلعۃ فیدفع إلی البائع دراھم علیٰ أنہٗ إن أخذالسلعۃ کانت تلک الدراھم من الثمن وإن لم یاخذ فیسترد الدراھم (التف فی الفتاویٰ لابی الحسن علی بن الحسین السعدیؒ (م ۴۶۱ھ) انواع البیوع الفاسدۃ ج ۱ ص ۴۷۳ ط

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ء)

ترجمہ: بیوع فاسدہ کی بائیسویں قسم بیع عربان ہے، اس کو اربان بھی کہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی سامان اس طرح خریدے کہ پیشگی بائع کو کچھ رقم یہ کہہ کر دے کہ اگر اس نے سامان لے لیا تو یہ قیمت میں شمار ہوگی ورنہ یہ رقم واپس لے لیں گے،

لیکن یہاں عربون کی صرف پہلی صورت زیر بحث ہے، اور وہی موقع استدلال بھی ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک وہ صورت جائز نہیں ہے،

جمہور کے پیش نظر ایک حدیث ہے جس میں صاف طور پر اس بیع کا نام لیکر منع کیا گیا ہے عمرو بن شعیب عن جدہٖؓ کی سند سے مروی ہے کہ:

نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن بیع العربان

(ابن ماجۃ ج ۲ ص ۳۶۷ حدیث نمبر ۲۱۹۲ ط دار الفکر بیروت، موطأ امام مالکؒ ج ۴ ص ۸۷۹ حدیث نمبر ۲۲۵۷ ط مؤسسۃ زاید ابن سلطان ۲۰۰۴ء،

ابوداؤد ج ۳ ص ۳۰۲ حدیث نمبر ۳۵۰۴ ط دار الکتاب العربی بیروت، مسند احمدؒ ج ۲ ص ۱۸۳ حدیث نمبر ۶۳۲۳ ط مؤسسۃ القرطبۃ القاہرۃ، فتح الغفار للصنعانیؒ ج ۳ ص ۱۱۶۴ ط دار عالم الفوائد ۱۴۲۷ھ)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع کیا ہے،

مگر امام احمدؒ نے اس حدیث کو کمزور کہا ہے۔

دوسرے اس میں بائع کے لئے ایسی شرط لگائی گئی ہے جس کا کوئی عوض نہیں ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہے،

نیز اس میں خیار مجہول ہے،

جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ معاملہ درست ہے، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت ابن سیرینؒ نے بھی اس کو جائز کہا ہے۔

☆ حضرت عمرؓ کے عمل سے بھی اس پر استدلال کیا گیا ہے، منقول ہے کہ نافع بن عبد الحارث نے حضرت عمر بن الخطابؓ کے لئے صفوان بن امیہ کا ایک مکان قید خانہ کی غرض سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمرؓ اس سودا پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

راضی ہوگئے تو ٹھیک ہے ورنہ تم کو اتنا (کوئی مقررہ رقم) دیا جائے گا۔

مگر اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمٰن الفروخ السعد مولیٰ عمر مجہول العین ہیں، نیز اس روایت میں نافع وصفوان کے معاملہ کرنے کی خبر ہے، حضرت عمرؓ کی رائے کیا ہوئی؟ اس سلسلے میں یہ روایت خاموش ہے،

نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اس کا جواز نقل کیا گیا ہے (المغنی لابن قدامہؒ ج ۲۳۲۴، ۲۳۳ ط المنار)

(۳) امام احمدؒ کی طرف سے ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ اگر شرطوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ایسی شرط ہے جو گو مقتضائے عقد سے نہیں ہے لیکن مصالح عقد سے ضرور ہے، اس لئے فی زمانہ اسے اختیار کیا جانا چاہئے،

شرط جزائی کے مسئلے میں فی الجملہ مذکورہ تینوں باتوں سے استیناس کرتے ہوئے علماء عصر کی ایک بڑی تعداد اس کے جواز کی طرف گئی ہے، بشرطیکہ تاخیر کسی ہنگامی یا غیر اختیاری سبب سے نہ ہوئی ہو، اور خریدار کو اس کی خبر ہو۔ نیز یہ معاملہ بیع سلم یا بیع بالتقسیط کا نہ ہو کہ اس میں یہ ربا کے معنی پیدا کرے گا،

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے (اپنے بارہویں سمینار منعقدہ ریاض جمادی الثانیۃ ۱۴۲۱ھ م ستمبر ۲۰۰۰ء میں) مذکورہ شرط کے ساتھ استصناع میں شرط جزائی کے جواز کا فیصلہ کیا ہے۔

(قرارات المجمع الفقہی ج ۱ ص ۱۳۶، موسوعۃ فقہ المعاملات، بحث الشرط الجزائی فی عقد الاستصناع ج ۱ ص ۲۹۳)

☆ فتاوی الازہر میں بھی شرط جزائی کو جائز قرار دیا گیا ہے (ج ۶ ص ۱۰۶ الشاملۃ)

قطع نظر اس سے کہ دلائل کے لحاظ سے یہ رائے کتنی مضبوط ہے، لیکن موجودہ حالات کے تناظر میں استصناع سے جڑے کاروبار میں اگر شرط جزائی کی مشروط طور پر اجازت دی جائے تو لوگوں کی بہت سی مشکلات حل ہوسکتی ہیں، واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم۔

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

aiadil.akhtar@mail.com

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com